قال اللہ تعالیٰ

فذکر فان الذکری تنفع المومنین

متفرق سلسلہ

الذکر کے

کا چوتھا وعظ ملقب بہ

مفتاح الخیر

منجملہ ارشادات حضرت حکیم الامت عالم ربانی مولانا شاہ حافظ قاری حاجی

محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم

حسب فرمایش جناب حافظ محمد صدیق حسن خاں صاحب جلال آبادی کے

باہتمام منشی رفیق احمد و محمد میاں مالکان

مطبع امداد المطابع تھانہ بھون میں طبع گیا

سنہ ۱۳۳۷ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

MG1
T367-69

وعظ ملقب بہ مفتاح الخیر

این	متیٰ	کم	کیف	ماذا	من ای شان	لم	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	کس طبقے کیلئے زیادہ مفید تھا	کیوں ہوا	کس نے لکھا	تعداد سامعین	متفرقات
قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر	۳ محرم سنہ ۱۳۳۶ھ	ایک گھنٹہ پندرہ منٹ	کھڑے ہوکر	خدمت علمیہ کی فضیلت	عوام کیلئے زیادہ مفید تھا	تقریب افتتاح عمارت مدرسہ اسلامیہ	احمد حسن عفی عنہ	پچاس	عوام اور رؤساء کا مجمع تھا

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔ یہ جملہ ایک آیت کا ٹکڑہ ہے اسمیں حق تعالےٰ نے حکمت کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس بیان کا موقع ظاہر ہے کہ تقریب افتتاح مدرسہ اسلامیہ کی ہے اور میرا مقصود اس بیان سے استمداد مالی نہیں ہے کہ آپ لوگ مدرسہ کی مدد کریں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس فعل کی حقیقت معلوم ہو کر آپکو مسرت ہو کہ الحمد للہ ہمکو ایسے بڑے کار خیر میں شرکت کی توفیق ہوئی باقی تکمیل اس کام کی حقتعالےٰ کے اختیار میں ہے خواہ وہ آپ حضرات کے ذریعہ سے تکمیل فرمادیں یا دوسرے لوگوں کے ہاتھ سے میری غرض تقریر سے صرف اسیقدر ہے کہ اس فعل کی حقیقت سے آپ حضرات آگاہ ہو جاویں اور مسرور ہو کر شکر خداوندی بجالاویں کہ ایسے عظیم الشان دین کے کام کی توفیق ہوئی۔

حقتعالیٰ نے ان مختصر الفاظ میں علم دین کی فضیلت عنوان حکمت سے جسکے معنی حقیقت شناسی کے ہیں بیان فرمائی ہے اور اسپر اجماع ہے علماء و حکماء و عقلاء کا کہ مراد حکمت سے حقیقت

شناسی ہے یہ دوسری بات ہے کہ حقیقت کی تعیین میں اختلاف واقع ہوجاوے چنانچہ فلاسفہ یونانیین نے جن امور کو حقائق سمجھا ہے وہ اور ہیں اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ نے جو حقائق ارشاد فرمائے ہیں وہ اور ہیں اور اسکا فیصلہ کہ کونسی حقائق صحیح اور حق ہیں آسانی سے اسطرح ہوسکتا ہے کہ جانبین کے دلائل میں غور کرلیا جاوے اوس سے معلوم ہوجاویگا کہ کونسے دلائل صحیح ہیں اور کون سے فاسد ہیں اِس سے صاف معلوم ہوجاویگا کہ کسکا دعویٰ صحیح اور کسکا غلط ہے۔ کیونکہ صحت و فساد دعوے کا دلیل ہی کے صحت و فساد سے معلوم ہوتا ہے سو دلائل میں غور کرنے سے کالشمس فی نصف النہار صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکماء کے دلائل و مقدمات نہایت ضعیف اور لچر ہیں اور اس بات کو جو پابند مذہب نہیں وہ بھی جانتے ہیں بلکہ خود مستدلین بھی اپنے دلمیں سمجھتے ہیں کہ ہم کیسی پوچ باتیں کہہ رہے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے دلائل و مقدمات نہایت قوی ہیں اور یقینی ہیں اور صرف نقلی ہی نہیں ہیں بلکہ عقلی بھی ہیں کیونکہ نقلیات کا مرجع ہمیشہ عقلیات ہوا کرتے ہیں مثال اسکی یہ ہے کہ مثلاً قیامت کا وقوع دلیل سے ثابت ہے اور صرف عقل سے اسکا ادراک نہیں ہوسکتا لہذا یہ مسئلہ نقلیہ ہے مگر اسطرح یہ مسئلہ عقلیہ ہے کہ اسکی دلیل مرکب ہے دو مقدموں سے۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے وقوع کی قرآن مجید میں خبر دی ہے۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو کلام اللہ میں تبلایا جاوے وہ صحیح ہے اور اس پہلے مقدمے کو اس حیثیت سے نہیں بیان کیا گیا کہ یہ کلام اللہ ہے اور اسکا صحیح ہونا لازم ہے بلکہ یہ ایک دوسرا مستقل مقدمہ ہے جسکی دلیل عقلی خود قرآن مجید میں یہ موجود ہے وان کنتم فی ریب مما نزلنا علے عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ جسکا محصل یہ ہے کہ اگر تمکو اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے اور کلام بشر ہونیکا احتمال ہے تو اسکی مثل ایک ہی سورۃ تصنیف کرلاؤ (آخر تم فصحاء بلغاء شعراء و اہل زبان ہو سو تمکو تو اسمیں کچھ بھی تامل نہونا چاہیئے قالہ الجامع عفی عنہ) اور چونکہ وہ لوگ باوجود مخالفت شدیدہ و سعی بلیغ کے قرآن کے مقابل ایک سورۃ تو کیا ایک آیت بھی نہ لاسکے تو ثابت ہوگیا کہ یہ کلام بشر نہیں ہے اور کلام عزوجل ہے۔ پس معلوم ہوگیا کہ مسئلہ وقوع قیامت کا تقریر مذکور کے اعتبار سے عقلی ہے اور تمام دعاوی نقلیہ مقدمات عقلیہ سے ثابت ہونیکی وجہ سے عقلیہ ہوتے ہیں لہذا عقلی ہونیکی وجہ سے حکماء پر بھی حجت ہیں اور حکماء

ہیں خود باہم جوتی پیزار ہوتا اور ایک دوسرے کی دلیلوں کا توڑنا یہ بھی اونکے مقاصد و مقدمات کے ضعف کی دلیل ہے بخلاف اون مقاصد و مقدمات کے جنکو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لائے ہیں کہ ان سب کا مقصود واحد اور اصول متفق ہیں گو بعض فروع میں باختلاف ازمنہ اختلاف واقع ہوا ہے لیکن اس اختلاف میں اور حکماء کے اختلاف میں زمین وآسمان کا فرق ہے اس اختلاف میں تناقض نہیں اور اگر مجتہدین کے اختلاف میں کہیں تناقض بھی ہے تب بھی ایک کو دوسرے کی رد کا خیال بھی نہیں ہوتا - اور حکماء کے اختلاف میں علاوہ تناقض کے اونکو بجز رد و قدح کچھ اور مقصود ہی نہیں ہوتا - اور گو بعض مدعیان عقل نے انبیاء علیہم السلام کے دعووں کو بھی رد کرنا چاہا مگر مبطل کو اسمیں ہمیشہ محرومی ہی ہوئی ہے اور کبھی کامیابی نہیں ہوئی غرض دلائل سے معلوم ہو رہا ہے کہ حقائق کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ ہی نے سمجھا ہے پس اس آیت میں حکمت سے مراد یہی حقائق ہیں جو انبیاء کے بتلائے ہوئے ہیں جسکا حاصل دین ہے اور بجائے لفظ علم کے حکمت کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ حکمت کی خیریت متفق علیہا ہے - گو اوسکی حقیقت کی تعیین مختلف فیہ ہو تو اس صورت میں صرف تعیین حقیقت ہی میں کلام رہیگا - باقی حکمت کا خیر کثیر ہونا مسلم رہیگا بخلاف عنوان دین کے کہ اسمیں خود اس حکم ہی میں اختلاف ہو جاتا غرض حقتعالےٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص حکمت یعنی علم دین عطا کیا جاوے تو اوسکو بیشک خیر کثیر مل گئی - اب یہ سمجھئے کہ آیت میں من یؤت الحکمۃ فرمایا یہ نہیں ارشاد فرمایا من تعلم الحکمۃ یا من حصل الحکمۃ یعنی حقتعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص حکمت دیا جاوے اوسکو خیر کثیر ملگئی یہ نہیں فرمایا جو حکمت سیکھے یا جو حکمت حاصل کرے اوسکو خیر کثیر ملگئی اسمیں یہ رمز ہے کہ کہیں طالب علم و محصل کو زعم اور عجب اور ناز نہ پیدا ہو جاوے کہ میں نے اپنی فطانت و ذہانت و محنت سے علم حاصل کیا ہے پس من یؤت میں یہ بتلا دیا کہ یہ محض موہبت خداوندی ہے جسکو چاہیں عطا فرماویں گو اسکے اسباب مکتسبہ ضرور ہیں اور اسی بناء پر انسان اسکی تحصیل کا مکلف قرار دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (قال الجامع رواہ ابن عبدالبر باسناد صحیح کما فی الجامع الصغیر (والمتن) قال ابن القطان صاحب ابن ماجہ فی کتاب العلل عقب ایرادہ من جہۃ سلام الطویل عن انس (مرفوعا) انہ غریب حسن الاسناد وقال العراقی قد صحح بعض الائمۃ بعض طرقہ وقال المزی ان طرقہ تبلغ بہ رتبۃ الحسن و رویناہ فی ثانی السمعونیات من

حدیث موسیٰ بن داود ثنا حماد بن سلمۃ عن قتادۃ عن انس به ورجالہ ثقات ہذا کلہ فی المقاصد الحسنۃ وقال الجامع وبسط فیہ الکلام الان المشہور انہ لیس لہ اسناد ثابت) مگر بیچ یہ ہے کہ بعد سعی کے علم دین کا حاصل ہوجانا یہ محض موہوب من اللہ ہے مکسوب نہیں ہے۔ جیسے نکاح فعل اختیاری ہے اور اسی طرح مجامعت بھی فعل اختیاری ہے مگر اولاد کا ہونا بالکل غیر اختیاری ہے اگر حق تعالےٰ چاہیں عطا فرمادیں اور چاہے محروم فرمائیں سو اسی طرح کتاب پڑھنا محنت کرنا سامان تحصیل مہیا کرنا افعال اختیاریہ ہیں لیکن حصول علم دین غیر اختیاری ہے کیونکہ وہ حقیقت علم دین حقائق دینیہ کا قلب پر وارد ہونا ہے۔ اور وہ محض موہوب ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ دو طالب علم لیجئے جو ہر طرح ظاہری اسباب تحصیل میں مساوی درجہ کے ہوں یعنی اوستاد دونوں کا ایک ہو توجہ بھی اوستاد کی دونوں پر مساوات کے ساتھ ہو تدریس و تحشیہ وتصنیف وغیرہ کا کام بھی دونوں سے برابر درجہ میں لیا گیا ہو مدت تکمیل بھی دونوں کی ایک ہو عمر بھی ایک ہو فطانت وذہانت میں بھی برابر ہوں مگر ایک میں تقوےٰ زیادہ ہو تو ضرور ہے کہ متقی کا علم لطیف اور بڑھا ہوا ہوگا اور یہ امر مشاہد ہے لاریب فیہ بلکہ بعض اوقات متقی اس درجہ کا ذہین نہیں ہوتا جس درجہ کا وہ دوسرا شخص ذہین ہوتا ہے جو اس سے تقوے میں کم درجہ کا ہے مگر باوجود اسکے متقی کا علم[۵] زیادہ اور لطیف ہوتا ہے پھر اسباب ظاہریہ کی مساوات کے ہوتے ہوئے تقوے سے علم کا زیادہ اور لطیف ہوجانا یہ موہوب ہونے کے سبب سے نہیں تو اور کیا ہے پس معلوم ہوا کہ حصول علم دین محض وہبی ہے وللہ در العارف الرومی حیث یقول ؎

بینی اندر خود علوم انبیا		بے کتاب و بے معید و اوستا

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرضوان کے دیکھنے والے اس جماعت میں موجود ہیں مولانا کی

۵ اگر شبہ ہو کہ تقویٰ بھی تحصیل علم کا سبب ہے اور وہ ایک شخص میں کم ہے اسی لئے اسکے علم میں بھی کمی ہے پھر موہوب علم کہاں رہا اور مساواۃ کہاں متحقق ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اول تو ہمکو یہی مسلم نہیں کہ تقویٰ بھی تحصیل علم کا ایک سبب ہے چنانچہ کوئی شخص خاص اس نیت سے تقویٰ کرکے دیکھے کہ ہمارے علم میں ترقی ہوگی سو دیکھ لیگا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسکے علم میں خاک بھی ترقی نہ ہوگی ترقی تو عادۃً ہوجاتی ہے جبکہ مقصود تقویٰ سے خالص رضائے الٰہی ہو اور برتقدیر تسلیم یہ اسباب ظاہریہ میں سے نہیں ہے اور یہاں ذکر اسباب ظاہری کا ہے اور جو اسباب کو عام لیا جاوے تو اسباب غیر ظاہری ہیں تو رحمت خداوندی بھی ہے جو سبب ہے موہبت کا تو پھر کیا یہ بھی کہا جاوے گا کہ ایک کے شامل رحمت الٰہیہ ہے اور وہ سبب ہے زیادتی کا اور دوسرے کو یہ میسر نہیں فلا مساواۃ حالانکہ یہ اعتراض کوئی فہیم نہیں کرسکتا ۱۲ جامع عفی عنہ

تقریر آپ حضرات نے سُنی ہوگی۔ کہ کس درجہ کی ہوتی تھی اور مولانا کا کیسا علم تھا اور مولانا کی طالب علمی کی شان دیکھنے والوں سے سُننے والے بھی موجود ہیں کہ کس بے پروائی سے مولانا نے پڑھا تھا۔ ابتدا ہی سے ویرانوں جنگلوں سے الفت اور تجرد و تفرد پسند تھے کہیں جمنا میں تیر رہے ہیں کہیں سیر و سیاحت کر رہے ہیں ایک آزاد طبیعت تھی بخلاف اونکے اقران و ہمعصر حضرات کے کہ اونھوں نے توجہ سے پڑھا محنت کی اساتذہ کاملین سے تحصیل کی مگر مولانا کے علوم کی شان اونمیں نہ پیدا ہوئی یہ صرف تقوے کی برکت تھی حدیث میں ہے من عمل بما علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم او کما قال (اخرجہ فی حلیۃ الاولیاء کما اوردہ فی بہشتی جوہر حصہ اول قال الجامع) یعنی جو عالم اپنے علم پر عمل کرے وارث کریگا اوسکو اللہ تعالٰے ایسے علم کا جسکو وہ نہیں جانتا ہے حضرت اُستاذی و مولائی مولوی شاہ محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ سے میرے سامنے پوچھا گیا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کو اس درجہ کا علم کسطرح حاصل ہوگیا آپنے چند اسباب ذکر فرمائے کہ اساتذہ کامل تھے پیر کامل تھے تقوٰی تھا اساتذہ کا ادب زیادہ فرماتے تھے اور یہ امور آپکے اقران میں بھی تھے مگر باطنی تقوے کی ایک خاص شان آپ کے اندر تھی جو آپ کے معاصرین کو کم میسر تھی سب سے بڑی وجہ علم کی ترقی کی یہی ہوئی غرض اسلئے حقتعالٰی فرماتے ہیں من یؤت الحکمۃ الخ یعنی جسکو حکمت عنایت فرمائی گئی اسکو خیر کثیر ملگئی اشارہ اسطرف ہے کہ اگر تم حکمت کا لینا چاہتے ہو تو براہ راست اوسکا حاصل ہو جانا تمہارے اختیار میں نہیں ہے اسکے حاصل ہونے کی صرف یہی صورت ہو کہ اپنے اندر قابلیت ایسی پیدا کرلو کہ جس سے ہمارا عطیہ اور موہوبہ لینے کی قابل ہوجاؤ اور وہ قابلیت تقوے کا اختیار کرنا ہے مگر یاد رہے کہ اس قصد سے تقوٰی اختیار کرنا کہ علوم القا ہوں ہرگز زیبا نہیں اور نہ اس طریق سے کامیابی کی امید بلکہ تقوٰی محض مخلصاً للہ تعالٰی اور رضائے الٰہی کے لئے ہو عادت خداوندی کے موافق اسکی قابلیت کے اندازہ سے جو علوم حقتعالٰی کو عطا فرمانے ہونگے وہ عطا فرماوینگے اور جسکو سچا تعلق خداوند تعالٰے سے ہوگا وہ تو عبادت لغیر اللہ تعالٰے کیوں کرنے لگا۔ اور ایسا ہی شخص محل نزول برکات بھی ہے اور حکمت کا لفظ بجائے علم کے ارشاد فرمانے کی اسکی وجہ جو میں پیشتر بیان کرچکا ہوں اسکے نظائر قرآن مجید میں اور بھی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم یعنی اے اہل کتاب تم ایسی بات کی طرف چلے آؤ اور وہ

امر قبول کرلو جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں اتفاقی ہے اور وہ توحید ہے چنانچہ فرماتے ہیں ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ یعنی وہ کلمہ یہ ہے جسکی طرف ہم داعی ہیں کہ ہم (اور تم) خدا کے سوا کسیکی عبادت نکریں اور کسی شے کو اوسکا شریک نہ ٹھہراویں اور بعض ہم میں سے بعض کو اپنا رب نہ بنائے خدا کو چھوڑکر جیسا وہ لوگ علماء کیساتھ برتاؤ کیا کرتے تھے۔ اب اس عنوان سے ایک درجہ میں اونسے موافقت کرلی کہ تم بھی توحید کو مانتے ہو اور ہم بھی پھر موافقت کے بعد اونسے یہ کہنا کہ تمہاری توحید واقع میں توحید نہیں ہے کہ ممزوج بشرک ہے اور ہماری توحید خالص اور واقعی توحید ہے اتفاق کے بعد اختلاف ہی جو انپر زیادہ گراں نہوگا۔ اور اگر پہلے ہی سے اونکو مشرک کہا جاتا تو وہ اول ہی سے سخت برانگیختہ ہوجاتے اور توحید کے مضمون کو سننا بھی گوارا نکرتے اور ایک یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آیت میں حکمت یعنی علم دین کو خیر کثیر کہا گیا حالانکہ صرف خیر کا لفظ بھی کافی تھا کیونکہ یہ لفظ اسم تفضیل ہے اسکے معنی ہیں بہت اچھا اور ظاہر ہے کہ حقتعالے جیسی عظیم الشان ذات جس چیز کو بہت اچھا فرمائے اسکی خوبی کس درجہ کی ہوگی مگر صرف اسی لفظ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مزید مبالغہ کیلئے کثیر کا لفظ بھی اضافہ فرمایا یعنی علم دین بہت ہی بڑی نعمت ہے اور بہت اچھا ہونے کے دو درجے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی چیز بہت سی چیزوں سے یا کسی خاص چیز سے بہت اچھی ہو اور دوسرے یہ کہ تمام چیزوں سے زیادہ عمدہ ہو اور یہاں ظاہراً دوسری صورت مراد ہے کیونکہ یہاں مفضل علیہ مذکور نہیں ہے پس مراد یہ ہے کہ علم دین تمام اچھی چیزوں سے زیادہ بڑھکر ہے واضح ہو کہ اس خیر کے مفضل علیہ میں تمام واقعی عمدہ چیزیں داخل ہیں اور مال و دولت تو واقع میں کمال ہی نہیں اور نہ وہ کچھ زیادہ اچھا ہے بلکہ بقدر حاجت روائی محمود ہے اور وسیلہ ہے مقصود کا خود بذاتہ کچھ محمود و مقصود نہیں اسلئے اس خیر کے مفضل علیہ میں اوسکے داخل ماننے کی ضرورت ہی نہیں اب رہا ایمان سو وہ خود ایمان اس علم ہی میں داخل ہے کیونکہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ علم ہے اب رہی جنت سو وہ اس خیر کے مفضل علیہ میں داخل ہے کیونکہ ایمان کہ علم دین کی ایک فرد ہے جنت سے افضل ہے۔ گو بعض لوگوں نے جنت کو ایمان سے افضل کہا ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منہا یعنی جو شخص نیکی کرے تو اوسکو

اس نیکی سے بڑھکر جزاء دیجاویگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل سے جزاء افضل ہے اور اعمال میں ایمان بھی ہے لہذا ایمان کی جزاء یعنی جنت ایمان سے افضل ہوئی لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں خیر سے مراد جنت نہیں بلکہ نفس حسنہ ہی تو مطلب یہ ہوا کہ آدمی جو نیکی کرتا ہے خواہ وہ ایمان ہو یا دیگر اعمال اللہ تعالٰے اوس عمل کو بڑھا دیتے ہیں مثلاً ایک نیکی کو بڑھا کر دس نیکی کر دیا پھر اون دس نیکی پر جزاء مترتب ہوتی ہے اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ بڑہائی ہوئی چیز حسنہ ہی ہو چنانچہ فرمایا ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا اور ظاہر ہے کہ امثالہا میں ضمیر مضاف الیہ کا مرجع حسنہ ہے تو حسنہ کے امثال حسنات ہی ہیں۔ مثلاً کسی نے دو رکعت نماز پڑھی تو اوسکو اول بیس رکعت یعنی دس گنا فرمایا پھر اس بیس رکعت کا ثواب مرحمت فرمایا کام کم ہوا تھا۔ لکھا گیا تھوڑا کیا تھا تحریر میں لایا گیا زیادہ۔ پس حسنات مضاعفہ کا حسنہ معمول بہا سے افضل ہونا لازم آیا نہ کہ جزاء کا عمل سے اور اسی کی تائید کے درجہ میں نہ کہ احتجاج کے طور پر ہے میں عرض کرتا ہوں کہ بعض حضرات نے اولٰئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات کی تفسیر یہ کی ہے کہ سیئات سے مراد وہ طاعات ہیں جو موافق امر کے بجا نہیں لائی گئیں۔ پس اللہ تعالٰے بجائے اونکے خالص طاعات مرحمت فرما دینگے مثلاً نماز پڑھی اسمیں مکروہات و محرمات کا ارتکاب ہوگیا تو وہ نماز تھی سیئہ مگر عطا ہوئی نماز خالص اور یہ تفسیر کچھ بعید نہیں کیونکہ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ گناہ گن گن کر بعضے[ف] لوگوں کو حق تعالٰے ان گناہوں کے عوض نیکیاں مرحمت فرما دینگے سو جب مستقل معاصی کی عوض حسنات دیجاوینگی تو عارضی معاصی کے عوض حسنات عطا فرمایا جانا کیا بعید ہے سو یہاں پر ان اعمال ناقصہ کے عوض اعمال کاملہ عطا ہونا مذکور ہے اسیطرح فلہ خیر منہا میں بھی حسنہ ناقصہ قلیلہ کے عوض میں ایسے اعمال جو اوس سے خیر ہوں عطا ہونا مراد ہوسکتا ہے پس اس سے بھی تائید دعوے مذکورہ کی ہوگئی۔ پس جزاء کا عمل سے اعلٰی و افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور حقتعالٰے نے حکمت کو جو خیر کثیر ارشاد فرمایا ہے اور کثیر کی کوئی حد نہیں فرمائی سو اول تو حقتعالٰے جس چیز کو کثیر فرما دیں اوسکی کثرت ظاہر ہے کہ کس درجہ کی ہوگی پھر

ف وہو ظاہر الآیۃ وتعمیم المعاصی بالمکروہات التحریمیۃ بعید فی الجملۃ وتحول عن الظاہر نعم لک ان تقول ان التبدیل یعم سائر المعاصی سواء کانت محرمۃ او مکروہۃ وتحمل الحدیث والآیۃ علیہ فافہم ۱۲ جامع۔

اس کثیر کو بھی جب کسی حد سے مقید و محدود نہیں فرمایا بلکہ مطلق رکھا پس یہ کثرت نہایت ہی عظیم الشان کثرت ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ حقتعالیٰ نے اس آیت میں حکمت یعنی علم دین کو ان مبالغات کے ساتھ خیر کثیر کے لقب سے ملقب فرمایا ہے یہ مضمون ایک مقدمہ ہے جو قرآن مجید سے ماخوذ ہے اور دوسرا مقدمہ حدیث شریف سے اخذ کر کے بیان کرتا ہوں اور چونکہ قرآن مجید و حدیث شریف دونوں ادلہ شرعیہ میں سے ہیں اسلئے ہمکو اختیار ہے کہ خواہ دونوں مقدموں کی حدیث و قرآن پر توزیع کردیں یا دونوں کو صرف قرآن مجید یا فقط حدیث شریف سے اخذ کرلیں وہ حدیث یہ ہے فطوبی لعبد جعلہ اللہ مفتاحا للخیر مغلاقا للشر وویل لعبد جعلہ اللہ مفتاحا للشر مغلاقا للخیر (اخرج ابن ماجہ وفی سندہ عبدالرحمن بن زید وہو ضعیف ویحقق لقیۃ سندہ قالہ الجامع) یعنی خوشحالی اور خوبی ہے اوس شخص کے لیے جسے اللہ نے بھلائی اور نیکی کی کنجی بنایا اور برائی اور شر کا قفل بنایا اور خرابی ہے اوسکے لیے جسکو حقتعالے نے شر کی کنجی اور خیر کا قفل بنایا۔ اھ کنجی کی خاصیت ہے کھولنا اور تالے کی خاصیت ہے بند کرنا۔ اب یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ کنجی تو تالا کھولتے اور بند کرتے وقت دونوں جگہ استعمال کیجاتی ہے کیونکہ اصل حاجت کنجی کی یہی ہے۔ اور خاصیت اسکی یہی ہے کہ تالا کھولتے وقت استعمال کیجاوے گو بند کرتے وقت عارضی طور پر کبھی اسکی حاجت ہوجاتی ہے جبکہ وہ تالا ایسا ہو جو بغیر کنجی کے بند نہ ہوسکے بعض قفل بغیر کنجی کے بند ہوجاتے ہیں لیکن بغیر کنجی کے کھلتا کوئی نہیں حاصل یہ ہے کہ جس شخص سے امر خیر کا افتتاح ہو اور شر کا انسداد ہو اوسکے لئے خوشحالی ہے (کہ دارین میں رحمت خداوندی سے مشرف رہیگا قالہ الجامع) اور جسکے ذریعہ سے خیر کا انسداد اور شر کا افتتاح ہو اوسکے لئے بدحالی ہے (کہ دونوں جہان میں رحمت الٰہیہ سے بعید اور مردود رہیگا قالہ الجامع) گو کارخانہ تکوین کے اعتبار سے بدحالی والے کا بھی وجود مصلحت ہے کہ عمارت عالم بغیر اسکے درست نہیں ہوتی فان الاشیاء تعرف باضدادہا۔ جیسے کہ باغ میں انبہ وغیرہ طرح طرح کے عمدہ درخت ہوتے ہیں مگر باڑھ کیکر کے درختوں کی لگائی جاتی ہے ولقد اجاد العارف الشیرازی فیما قال ؎

	در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است		آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد	

دیکھو مکان تیار کیا جاتا ہے اسمیں شہ نشین بھی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کسقدر نفیس اور باوقعت

شئے ہے اور پاخانہ بھی ہوتا ہے حالانکہ وہ نفرت کی چیز ہے مگر چونکہ ایک درجہ میں اسکی بھی ضرورت ہو اسلئے بغیر اس نفرت کی چیز کے مکان کی عمارت کامل نہیں ہوتی اور ناقص رہتا ہو اسی طرح تعمیر عالم اور اوسکی تکمیل کیلئے بُری چیزوں کا وجود بھی ضرور ہے لیکن یہ خیال رہے کہ یہ حکمت بُرائی کے ارتکاب کے لئے عذر نہیں ہو سکتی کیونکہ بُرائی کرنیوالا اپنے اختیار سے عصیان خداوندی کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ اس کارخانہ کا داروغہ نہیں ہے جو وہ اپنے کو اس کام کے لئے منتخب کرے لہذا وہ معذور نہیں ہے یہ حکمت تو خلق خداوندی کے اعتبار سے ہے نہ کہ کسب عباد کے اعتبار سے اب یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حدیث میں لوگوں کی دو قسمیں ذکر کیگئی ہیں اور ظاہر عنوان سے ان میں انحصار معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے لیکن بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اور قسمیں بھی نکلتی ہیں اور استیعاب اقسام کا یہ ہے۔ اوّل خیر کا مفتاح ہونا۔ شر کا مغلاق ہونا۔ ثانی خیر کا مغلاق ہونا شر کا مفتاح ہونا۔ اور یہ دو قسمیں تو حدیث میں مذکور ہیں۔ ثالث خیر کا مفتاح ہونا شر کا مغلاق نہونا۔ رابع شر کا مفتاح ہونا خیر کا مغلاق نہونا خامس خیر کا مفتاح نہونا شر کا مغلاق ہونا۔ سادس شر کا مفتاح نہونا خیر کا مغلاق ہونا۔ سابع خیر و شر دونوں کا مفتاح ہونا۔ خیر و شر دونوں کا مغلاق ہونا۔ ثامن دونوں کا مفتاح و مغلاق نہونا۔ پس یہ اقسام ہیں لیکن یہ تمام اقسام جو حدیث میں ظاہراً مذکور نہیں ہیں حقیقۃً حدیث ہی کے تحت میں داخل ہیں۔ اسلئے انحصار منقوض نہیں ہوتا۔ اور دخول کی یہ صورت ہو کہ خیر و شر باہم ایسے متقابل ہیں کہ ایک کا فتح دوسرے کے غلق کو اور ہر ایک کا غلق دوسرے کے فتح کو مستلزم ہو جب یہ سمجھ میں آگیا تو حدیث میں غور فرمائیے جب کوئی شخص مفتاح خیر ہوگا تو اسکے لئے مغلاق شر ہونا لازم ہے کیونکہ اس خیر کی فتح نہوتی تو ایک شر جو اسکا مقابل ہے باقی رہتا اب فتح خیر سے اوس شر کا انسداد ہو گیا پس قسم ثالث متحقق نہیں اوسی طرح جو شر کا مفتاح ہوگا اوسکے لئے اوس خیر کا مغلاق ہونا جو اوس شر کے مقابل ہے لازم ہو پس قسم رابع کوئی قسم نہوئی اسیطرح جو مغلاق شر ہوگا اوسکے لئے مفتاح خیر ہونا لازم ہے کیونکہ شر کا بند کرنا یہ بھی ایک خیر ہے پس قسم خامس منعدم ہوگئی۔ اسی طرح جو خیر کا مغلاق ہوگا وہ مفتاح شر ضرور ہوگا پس قسم سادس نہ رہی اور جو دونوں کا مفتاح اور دونوں کا مغلاق ہو وہ مختلف خیر و شر کے اعتبار سے مفتاح

خیر بھی ہے اور مغلاق شر بھی ہو اسی طرح وہ مغلاق خیر بھی ہے اور مفتاح شر بھی پس قسم سابع بھی اُن ہی دو قسموں میں داخل ہو۔ اور خیر و شر دونوں کا مفتاح و مغلاق ہونا اسکے لئے بھی فتح خیر اور سد شر اور فتح شر اور سد خیر لازم ہو پس قسم ثامن بھی اُن ہی دو قسموں میں داخل ہوئی۔ غرض حدیث میں انحصار ہو۔ اب ہر شخص دیکھ لیوے کہ میں مفتاح خیر اور مغلاق شر ہوں یا اسکا عکس اور بعضے لوگ صرف اسبات پر خوش ہوں کہ اگر ہم مفتاح خیر نہیں ہیں تو مفتاح شر بھی نہیں ہیں نہ اچھے کی مدد کرتے ہیں نہ برے کی مدد کرتے ہیں کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہو مفتاح خیر نہونے کیلئے مفتاح شر ہونا لازم ہو۔ اسلئے کہ جب تم خیر کو نہ کھولوگے تو ظاہر ہے کہ خیر بند رہیگا اور خیر کا بند رکھنا شر کا کھولنا ہو۔ خیر کا نہ کھولنے والا اضطراراً شر کا کھولنے والا ہو جاتا ہے لہذا ذیل کی وعید میں ایسا شخص بھی داخل ہوگا سو ہر شخص کو مفتاح خیر ہونیکی سعی کرنا چاہئے۔ خلاصۂ کلام یہ ہو کہ حدیث میں حکم مذکور ہر خیر و شر کیلئے عام ہے اور پچھلی تقریر سے معلوم ہو چکا ہو کہ علم دین بہت بڑی خیر ہے تو خواہ اوس خیر کو عموم حدیث میں داخل ہونیکے بعد حدیث کا احق مصداق کہا جاوے یا خیر سے خیر کامل مراد لیکر حدیث کو علم دین ہی پر محمول کیا جاوے غرض دونوں صورتوں میں علم دین کی خدمت کرنے والے کیلئے حدیث میں خوشحالی کی بشارت ہو اور اسمیں حصہ نہ لینے والے کیلئے وعید ہے۔ اور حدیث شریف گو بظاہر کلام ہے جناب سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا لیکن حقیقت میں وہ کلام ہے حق تعالے کا کیونکہ آپ اپنی طرف سے تھوڑا ہی احکام بیان فرماتے تھے جو کچھ فرماتے تھے سب حقتعالے کا ارشاد ہوتا تھا قال تعالے ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی وصدق من قال ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود	گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

دونوں مقدموں کا نتیجہ یہ ہے کہ فاتح علم خیر کیلئے خوشحالی کی بشارت ہے اور اوسکی فتح میں سعی نکرنے والے کیلئے وعید ہے۔ اور اسی نتیجہ کے لئے میں نے تقریر کی تھی گو درمیان میں مضامین علمیہ بھی آگئے کیونکہ جو مضمون جس نوع کا ہوتا ہے وہ تو اسی طرح ادا ہو سکتا ہے مگر مضائقہ نہیں اسلئے کہ اصل مضمون جتنا ہے اوسکو سب ہی سمجھ گئے ہیں اب آپ خدا تعالی کا شکر کیجئے کہ الحمد للہ تعالے حقتعالے نے آپکو یہ موقع عطا فرمایا کہ ایسے کار خیر میں شرکت اور اوسکا افتتاح آپکے ہاتھ سے ہوا اور آپ اس کام کو چھوٹا سا کام سمجھکر اوسکو بے وقعتی کی نظر سے نہ دیکھیں

کیونکہ خلوص کیساتھ چھوٹا سا کام بھی بہت بڑا ہوجاتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے عائشہؓ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو وجہ یہ کہ کیا خبر ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں معمولی نیکی کا وہ درجہ خلوص کے سبب عطا ہوجاوے جو بڑی نیکی سے بھی بوجہ کسی عارض عدم خلوص وغیرہ کے عطا ہوتا۔ اور سمجھ لیجئے کہ دینی کاموں میں خلوص کی حاجت تو فلوس سے بہت زیادہ ہے اکثر لوگوں کو مدارس کے مقاصد میں فلوس کی طرف زیادہ نظر ہوجاتی ہے اور خلوص کا اسقدر اہتمام نہیں ہوتا حالانکہ فلوس تو خود آجاتے ہیں کیونکہ اس کام کا رحمت اور خیر ہونا تو معلوم ہوچکا اور جو خیر منجانب اللہ مفتوح ہوتی ہے جسمیں بڑا دخل خلوص کو ہے اوسکا کوئی روکنے والا نہیں چنانچہ حقتعالیٰ فرماتے ہیں مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِکَ لَہَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ یعنی جو رحمت اللہ تعالیٰ عطا فرماوے اوسکا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس رحمت کو وہ روک لیں اوسکو کوئی دینے والا نہیں لہذا بھروسہ حقتعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے جتنے کارخانے خلوص پر مبنی ہوئے ہیں اون سب میں ترقی ہوئی ہے خود اصل دین کی حالت کو ملاحظہ فرمائیے کہ ابتداء اسکی کیا تھی تمام عالم مخالف تھا اور بات بھی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ارشاد فرمائی تھی جو سارے جہان کے خلاف تھی اور یہی وجہ مخالفت کی تھی ورنہ قبل دعوے نبوت تو لوگ آپکو بہت چاہتے تھے مگر باوجود اس مخالفت کے دیکھئے اسلام کہاں سے کہاں پہونچا پس یہ برکت محض اخلاص کی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام کے پاس اوسوقت کہاں کا لشکر تھا اوسوقت یہ چند حضرات مسلمان تھے۔ عورتوں میں حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے پہلے ایمان لائیں لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ غلاموں میں حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بوڑھوں میں حضرت امام الائمۃ مقدام الملۃ افضل اولیاء الامم اعظم الاتقیاء الملل سیدنا و مولانا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ ایمان لائے یہ اسلامی کمیٹی تھی اور ایمانی لشکر تھا جسنے ساری دنیا کو زیروزبر کردیا سلطنت کا انتظام بہت بڑی قوت پر مبنی ہوتا ہے یہاں کونسی قوت تھی صرف اخلاص کی برکت تھی کون خیال کرسکتا تھا کہ یہ سلطنت عالمگیر ہوجاوگی اور بعضے لوگوں کا یہ خیال کہ اسلام تلوار کے

زور سے چلا ہے سو اوّل تو یہ مسلم نہیں ہے اور علی تقدیر التسلیم صرف تلوار سے تو کام بھی نہیں چل پا۔ تلوار کے لئے کوئی اسکا چلانے والا بھی تو ہونا ضروری ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ میاں تلوار کے لئے کوئی تلوار چلانیوالا بھی تو ہونا ضرور ہے اور وہ چلانے والے کہاں سے آئے وہ مجمع کس نے پیدا کردیا یہ سب خلوص کی برکت ہے حقتعالیٰ نے پیدا فرمادیا اور یہ بات کہ تلوار سے اسلام کی اشاعت ہوئی ہے وہ شخص کہہ سکتا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہو دیکھو ابتداءً کبھی تلوار نہیں چلائی گئی بلکہ پہلے یہ کہا گیا کہ اسلام لاؤ یا اہل اسلام کی اطاعت قبول کرو اور جو دونوں امر منظور نہوں تو پھر تلوار ہے۔ پھر قبول اطاعت کا قانون ایسا وسیع ہے کہ ظاہراً اسلام کیلئے نہایت خطرناک تھا کیونکہ کبھی اطاعت تلبیس سے بھی ہوتی ہے ظاہر میں اقرار کرلیا کہ ہم اطاعت قبول کرتے ہیں پھر دھوکا دیدیا۔ جب موقع پایا لیکن اس خطرہ کی پرواہ نہیں کیگئی کیونکہ کام کرنیوالا حقیقت میں خدائے تعالیٰ ہے کما قال

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ۝

	چراغے را کہ ایزد بر فروزد		ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد	

اور ایسے خطرات پیش بھی آئے مگر پھر بھی جو قانون مقرر کردیا گیا وہ برابر جاری رہا قیامت تک وہی رہیگا اہل سلطنت کے قوانین میں تھوڑی تھوڑی مصلحت کے لئے تغیر کیا جاتا ہے اور یہاں ایسے ایسے خطرناک قوانین کو بھی استقامت دیگئی سبحانہ ما اعظم شانہ ولہ الکبریاء فی السموات والارض۔ صاحبو تلوار اخیر درجہ میں اُٹھائی گئی ہے جب دونوں شقیں منظور نہ کیں نہ اسلام لائے نہ اطاعت قبول کی اور یہ تلوار اُٹھانا بھی اس اضطرار کیوجہ سے تھا کہ بغیر اسکے مخالفین کے شر سے محفوظ رہنا ممکن نہ تھا۔ اور بدون اطاعت کے محض صلح کی حالت کا اقرار امن و امان کا کہ وہ اہل اسلام کو ضرر نہ پہونچاوینگے۔ موجب اطمینان نہ تھا۔ لہٰذا ضرور تھا کہ انسداد شر باضابطہ ہو تاکہ اس سے محفوظ رہکر حقتعالیٰ کی اطاعت اطمینان کیساتھ ہوسکے اور اس ضابطہ کی صرف یہی صورتیں ہیں کہ یا تو مخالفین اسلام دین یا باضابطہ اطاعت اسلام قبول کریں اور جو یہ دونوں صورتیں نہوں تو مجبوری کو مقاتلہ سے کام لیا جاوے۔ خود قرآن مجید بتلا رہا ہے کہ صرف فتنہ فرو کرنے کیلئے تلوار کی اجازت دیگئی ہے چنانچہ حقتعالیٰ فرماتے ہیں حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔ اور پھر عین اس مقاتلہ میں بھی ایسا

قانون مقرر کیا جسمیں مخالفین کو خداع کا بہت بڑا موقع تھا مگر مسلمانوں کو اِس شُبہ کی گنجایش نہیں دیگئی کہ شاید مخالفین نے دہوکا دیا ہو اگر کسی اور مِلّت و دین میں یہ قانون ہوتا تو وہ ملّت ہرگز ترقی نکرسکتی اور جسکا جی چاہے اب بھی کوئی ملّت یہ قانون مقرر کر کے دیکھ لے ہرگز ہرگز ترقی نکر سکے گی یہ صدق اسلام ہی کی برکت ہو کہ باوجود ایسے وسیع قانون کے پھر بھی اسلام نے ترقی کی وہ قانون یہ ہو کہ اگر کسی کافر پر تلوار اُٹھائی ہو اور کافر بھی وہ جسکے ہاتھ سے اِس تلوار اُٹھانیوالے کے تمام خاندان والے مسلمان قتل ہو چکے تھے اور اوسنے عین اسحالتمیں کلمہ پڑھ لیا تو حکم ہے کہ فوراً ہاتھ روک لو اور اگر اوسنے اس طور پر اپنی جان کی حفاظت کرلی اور اگلے دِن اوسنے دہوکا دیا اور پھر ایسا ہی کیا پھر بھی اسلامی قانون یہی رہا کہ جب کوئی کلمہ پڑھ لے اوس سے درگذر کرو اور مسلمانوں جیسا برتاؤ اوسکے ساتھ کرو۔ گو وہ پھر دہوکا ہی کیوں نہ دیدے۔ تمکو شبہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ خلوص سے ایمان لایا یا عدم خلوص سے یہ تو ایسی وسعت ہو کہ لوگ جب چاہیں مسلمانوں کا قلع قمع کردیں لیکن اسلام کے صدق کی وہ قوت ہو کہ باوجود ایسا موقع ملنے کے بھی مخالف لوگ اسلام کی قوت کو نہ توڑ سکے اور صحابہ میں بھی خلوص تھا اور صدق تھا جسکی وجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی۔ غرض یہ ہے کہ خلوص سے کام کرنا چاہیئے فلوس کی زیادہ فکر نکرو۔ مشہور مثل ہے سر سلامت چاہیئے ٹوپیاں بہت خلوص و فلوس کی ایک لطیف مثال ذہن میں آئی جو حضرت حاجیصاحب قدس سرہٗ نے ارشاد فرمائی تھی کہ ایک جانور اُڑا جا رہا ہے اور اوسکے سایہ کا شکاری شکار کرنا چاہتا ہے تو خود سایہ کو کوئی پکڑنا چاہے ہاتھ نہ آویگا۔ اسکے شکار کرنے کی صرف یہی تدبیر ہے کہ خود اوس جانور کے تیر لگاؤ سایہ اوسکی ہمراہ خود آجاویگا اور اسطرح آویگا کہ تم علحدہ کرنا چاہوگے اور وہ جدا نہوگا۔ حدیث میں ہے اتتہ الدنیا وہی راغمۃ یعنی ایسے لوگوں کے پاس دُنیا ذلیل ہو کر آتی ہے اور اسکی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے فواحش عورتیں مستغنی کے پیچھے پڑتی ہیں اور چاہنے والیکے ناز و نخرہ کرتی ہیں۔ حضرت حاجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ جو طالب دُنیا ہونا چاہے وہ تارک دنیا ہوجاوے اھ مگر یہ یاد رہے کہ جو اخلاص سے حقتعالےٰ کی رضا کیلئے ترکِ دُنیا کرتا ہے اوسکے پیچھے دنیا پڑتی ہے اور جو محض نقل ہی کرے اور تحصیل دنیا کی ایک تدبیر ترکِ دنیا کو سمجھے اور اسکو عمل میں لاوے تو چونکہ وہ سچا تارک نہیں اسلیئے ثمرہ بھی اسکی اس تدبیر پر مترتب نہوگا اور اگر تارک حقیقی ہے تو اوسکے لئے حقتعالیٰ کا

وعدہ ہے کہ وہ اتقیاء کو راحت و چین مرحمت فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب۔ مشاہدہ کر لیجئے ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہتے ہیں۔ کاندھلے میں جب میں نے اسی تقریب سے جو یہاں ہے بیان کیا تھا تو اوسمیں یہ بھی کہا تھا کہ صاحبو کام شروع کرو روپیہ خود آ رہیگا۔ کام کے اندر مقناطیس جیسی خاصیت ہے جیسے وہ لوہے کو کھینچتا ہے اسی طرح کار خیر زر کو کھینچتا ہے ہاں اخلاص اور استعانت من اللہ کی حاجت ہے مقناطیس کامل ہو اس کے پاس لوہا خود آ جاویگا اسکو لوہے کے پاس جانے کی کیا حاجت ہے اہل اللہ سلطنت پر لات مار دیتے ہیں مگر پھر بھی دنیا ان پر گرتی ہے اور استغناء حقیقی تو بڑی چیز ہے اوسکی نقل میں بھی کشش ہوتی ہے۔

ایک شخص میری یہ تقریر سنکر میرے ایک عزیز سے میرے متعلق بطور اعتراض کہنے لگے کہ انکا یہ استغناء بھی ایک تدبیر ہے تحصیل دنیا کی اور یہ اونکی واقع میں غلطی تھی جو مجھے مستغنی سمجھتے تھے میں تو دنیا داروں سے بھی بدتر ہوں خیر میں نے جب یہ حکایت سنی تو ضابطہ کا جواب دیدیا کہ بھائی میں نے کب دعویٰ کیا تھا کہ میں مستغنی ہوں اور میرے اندر جو یہ عیب ہے تو دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے پاک فرمادیں میں نے تو صرف یہی ضابطہ کا جواب دیا لیکن اون عزیز نے یہ جواب دیا کہ صاحبو اگر یہ طرز بطور تدبیر کے ہوتا تو ظاہر ہے۔ ایسی تدبیر کو تو لوگ چھپایا کرتے ہیں تاکہ دوسرے اس سے مال نہ حاصل کرلیں اور یہ شخص تو برسر منبر اسکو بیان کرتا ہے کہ اہل علم کو استغناء اختیار کرنا چاہئے دنیا خود اونکے پیچھے دوڑے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہ نیت تدبیر یہ طرز اختیار نہیں کیا۔ مگر سچا جواب تو وہی ہے جو میں نے دیا۔ غرض کار خیر کے اندر خاص کشش ہے گو کار خیر کی نقل ہی ہو پھر اگر اصل ہو جاوے تو کیا ٹھکانا ہے قال العارف الرومی ؎

	جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند		صاف گر باشد ندانم چوں کند	

یعنی ایسی شراب جسمیں مٹی ملی ہو اسدرجہ کا نشہ لاتی ہے کہ آدمی مجنون ہو جاتا ہے اگر وہ صاف ہو تو خدا جانے کیا غضب برپا کرے۔ غرض خلوص کو اختیار کرنا چاہئے عمل بڑھیگا جیسے کہ رائی کا ایک دانہ بویا جاتا ہے پھر اس سے کسقدر ترقی ہوتی ہے مثل ضرب حسابی کے کہ بڑھتا چلا جاتا ہے جیسے اگر برگد کے درخت کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاوے اور اوسکی ڈاڑھی نہ کاٹی جاوے تو

اس قدر پھیلے کہ ساری کشتی ہی میں بھی نہ سماوے۔ دیکھو وہی ننھے سے رائی کے دانہ کی بدولت سلسلہ ترقی ہوئی اسی طرح اگر لوگ خلوص سے جو نیک کام بھی شروع کریں وہ ترقی پذیر ہوگا اور برابر ترقی جاری رہیگی۔ ہاں اگر درمیان میں خلوص کا سلسلہ ٹوٹ جاوے اور اسکی وجہ سے سلسلہ ترقی کا مسدود ہو جاوے یہ دوسری بات ہے اور اپنی کوتاہی ہے۔ آج حق تعالیٰ نے بنائے مدرسہ کی آپکو توفیق عطا فرمائی خلوص کیساتھ شکریہ کیجئے قولاً بھی اور عملاً بھی کہ اسکی خدمت میں سعی کیجئے اس شکر سے نعمت بڑھے گی حق تعالیٰ فرماتے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم یعنی اگر تم شکر کروگے تو ہم زیادہ عطا فرما دیں گے۔ اس قصبے میں مدرسہ کی ضرورت بھی تھی گو آس پاس مدارس دینیہ موجود ہیں لیکن علم دین کے انتظام کی تو ہر جگہ ہی حاجت ہے اور اگر قرب وجوار کے مدارس اس ضرورت کے پورا کرنے کے لئے کافی ہیں تو جلال آباد میں کنوؤں کی بھی حاجت نہ ہونا چاہئے قرب وجوار میں کنوئیں بہت ہیں تھانہ بھون کے کنوؤں سے پانی منگا لیا کرو۔ مگر یہ کسی کو گوارا نہیں اور نہ اس طرح کام چل سکتا ہے بلکہ لوگ تو کنوؤں کو اس کثرت سے بنانا چاہتے ہیں کہ ہر ہر گھر میں کنواں ہو جاوے تو اچھا ہے۔ صاحبو جیسے جسم کی زندگی پانی سے ہے اسی طرح روح کی حیات علم دین سے ہے اگر تنافس نہ ہوتا تو میں تو یہ رائے دیتا کہ ہر ہر محلہ میں مدرسہ ہونا چاہئے لیکن آجکل تعداد مدارس کا نتیجہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ باہم منافست اور مخالفت پیدا ہو جاتی ہے مدرسے کے نام ہی میں آجکل یہ اثر ہو گیا ہے کہ متعدد مدارس ہوئے مخالفت رونما ہوئی ورنہ جو مکتب یہاں پہلے سے ہیں ان میں یہ احتمال نہیں اور وجہ اس مخالفت کی صرف چندہ ہی ہے مکاتب میں چونکہ چندہ نہیں ہے اسلئے مخالفت بھی نہیں ہوتی اور مدارس میں چونکہ ہر مدرسہ کے منتظمین کارپرداز یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ کی طرف لوگوں کا زیادہ رجحان ہو اور اسی مدرسہ میں چندہ زیادہ دیں اور ان کو یہ تو خیال ہوتا نہیں کہ ہر مدرسہ خدا تعالیٰ کا ہے جہاں جسکا جی چاہے دیوے تمہارا کیا حق ہے۔ سو اس وجہ سے مخالفت ہوتی ہے میں جب تھانہ بھون آکر بطریق استقلال رہا تو میری فرمائش تو تھی نہیں میرا تو صرف یہ قصد تھا کہ مجھے خود جسقدر علم دین کی خدمت ہو سکے گی کرونگا مگر لوگوں نے چندہ سے مدرسہ کی شکل بنائی چندہ ہوتے ہی تزاحم اور حکومت شروع ہوئی کوئی مدرس پر اعتراض کرتا ہے کوئی طلبہ پر حکومت کرتا ہے میں نے جو اسکے اسباب میں غور کیا

تو ان تمام امور کی جڑ چندہ سمجھ میں آئی میں نے چندہ حذف کر دیا جیسے کہ ایک مجذوب پر چندہ چڑھتے تھے مریدوں نے کپڑے بنا دیے۔ کپڑوں کو چوہوں نے کتر لیا اس کلفت کے ازالہ کیلئے بلی پالی بلی کھانے خراب کرنے لگی تو کتا پالا وہ کھانوں کو ناپاک کرنے لگا تو آدمی مقرر کیا۔ وہ آدمی محض کھانے کھا کر ستانے ادہر ادہر پھرنے لگا اسلئے اوسکی شادی کر دی بیوی آئیں بال بچے ہوئے شاہ صاحب آزاد منش تھے ان سب جھگڑوں کو دیکھکر گھبرائے اور فرمانے لگے کہ ان سب کی جڑ لنگوٹا ہے اوسکو اوتار کر پھینکدیا غرض میں نے چندہ موقوف کرا دیا لیکن یہ نہیں کیا کہ کوئی مدرسہ کی اعانت خلوص سے کرے اوسکو بھی اعانت کی اجازت نہو بلکہ یہ اطلاع کرا دی کہ اب یہ توکل کا مدرسہ ہے نہ روئداد ہوگی نہ حساب کتاب ہوگا نہ رسید ہوگی نہ باضابطہ قواعد مقرر ہونگے جسکا جی چاہے اسمیں اعانت کرے اور جسکا جی نہ چاہے نکرے اور جو کرے وہ اس شرط سے کہ اوسکو اسقدر تحمل ہو کہ اگر میں ساری رقم اسکی خود بھی کھا جاؤں تو گوارا کرلے سو الحمد للہ کہ پہلے سے زیادہ آمدنی اور اطمینان ہے بعضے لوگوں نے کہا کہ اسطرح تمنے تو چلا لیا مگر اور کسی سے نہ چل سکیگا۔ میں کہتا ہوں کہ ہر وہ شخص چلا لیگا جو خلوص سے اللہ تعالے کے بھروسہ پر کام کریگا۔ اور اگر نہ بھی چلے تو چھوڑ دے میں نے بھی یہی قصد کر لیا تھا کہ جتنا کام اپنی ذات سے ہو سکیگا وہ کرونگا اور اس سے زیادہ اگر حقتعالے چاہینگے کسی ذریعہ سے کرا دینگے ورنہ اسکے عدم ہی میں مصلحت سمجھونگا۔ حدیث قدسی میں ہے انا عند ظن عبدی بی (اخرجہ الشیخان والحاکم بسند صحیح) یعنی حق تعالے فرماتے ہیں میں بندہ کے گمان کے پاس ہوں مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ اچھا گمان رکھیگا تو میں بھی اچھا برتاؤ کرونگا اور جو بدگمانی کریگا تو اوسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جاویگا سو جن لوگوں کا گمان یہ ہوتا ہے کہ حقتعالے کام چلا دینگے اونکے ساتھ اونکے گمان کے موافق برتاؤ کیا جاتا ہے اور جنکا یہ گمان ہوتا ہے کہ بلا ظاہری سبب کے کام نہیں چل سکتا تو حقتعالے اونکو اس گمان کا ثمرہ مرحمت فرماتے ہیں یعنی وہ کام بلا ظاہری سبب کے نہیں چل سکتا۔ چور کا گمان ہے کہ بغیر چوری کے رزق نہیں ملتا تو اوسکو بغیر اس فعل شنیع کے روزی نہیں ملتی اوسکی بھی پونجی جھولی ہے اوسمیں برکت نہیں ہوتی آتا تو ہے مگر نکل جاتا ہے دیکھئے اسٹیشن کی مسجد کی تعمیر میں کونسی لوٹ کھسوٹ ہوئی تھی کام دیکھکر خود لوگوں کو رغبت ہوئی بھوپال کی

طور پر ایک غریب آدمی کی طرف سے اطلاع دیگئی کہ نہ خط کی رجسٹری کرائی گئی نہ کوئی خاص اہتمام سفارش کا ہوا خصوصاً ایسے وقت میں کہ ولیعہد بیمار تھے اور اسوجہ سے بیگم صاحبہ کاروبار کیطرف پورے طور پر متوجہ بھی نہ ہوتی تھیں مگر پھر خدا تعالےٰ نے اونکو متوجہ کر دیا اور خط کے جواب میں اُنھوں نے تخمینہ دریافت کیا۔ تخمینہ بھی پورا پورا لکھدیا گیا بڑھا کر نہیں لکھا اسی وجہ سے اخیر میں کمی پڑی لوگوں نے کہا کہ تعمیر کے کام میں اندازے سے زیادہ صرف ہوتا ہے اسلئے تخمینہ زیادہ لکھنا چاہیئے میں نے کہا کیا واہیات بات ہے ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیئے غرض وہاں سے اعانت ہوئی پھر کمی پڑی پھر اطلاع دیگئی اس طریق سے کہ آپ سے یہ درخواست نہیں ہے کہ آپ اس کام کی تکمیل کرائیں بلکہ اس غرض سے اطلاع دیجاتی ہے کہ کام ناتمام ہے شاید آپ مطلع ہو کر شکایت فرماویں کہ ہمکو کیوں نہیں خبر دی ہم اوسکو پورا کرا دیتے اونھوں نے اس درخواست پر بھی بقدر تکمیل مدد فرمائی اور کچھ متفرق لوگوں نے اعانت کی غرض سب کام اسیطرح ہو گیا۔ غرض چندہ پر زور دینا سبب ہوتا ہے تحاسد و تنافس مدارس کا اور مدارس میں اکثر ایسا ہوتا ہے اسلئے میں ایک بستی میں تعدد کی رائے نہیں دیتا۔ ہاں تعدد مدارس وہاں مضر نہیں ہوتا جہاں حکومت کا اثر ہوتا ہے کیونکہ وہاں داعی ہی نہیں یعنی چندہ اور مانع موجود ہے یعنی حکومت۔ ایک طالبعلم بخاری کہتے تھے کہ بخارا میں ۳۶۰ مدرسے ہیں ہر مدرسہ میں بائیں باغ اور بڑے بڑے مکانات اور طلبہ کو باغوں کے میوے وغیرہ تصرف میں لانیکی بلا تکلف اجازت اور اونکا جیب خرچ مقرر ہے تو چونکہ وہاں حکومت اسلامیہ کے ماتحت مدارس ہیں اسلئے تنافس اور تخالف کا اثر نہیں اور میں نے چندہ پر زور دالنے سے منع کیا ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ میں اس مدرسہ کی اعانت کو منع کرتا ہوں۔ میں مناع للخیر نہیں ہوں لیکن متعارف درخواست نہیں کرتا ہوں ہاں عام ترغیب دلاتا ہوں لا یسئلون الناس الحافا کے موافق درخواست سے خوش قسمتی ہے آپ حضرات کو کہ ایسا موقع میسر ہو گیا ہے اگر اور بھی کچھ نہ ہو سکے تو دعا ہی کر دیا کرو ؎

لا خیل عندک تہدیہا ولا مال — فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

دعا بہت بڑی چیز ہے گو لوگ اسکو معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں لیکن صرف اسی پر قناعت بھی نہ کیجئے بلکہ ہر طرح سے جو کچھ مدد ہو سکے فرمائیے اور اس مثل کے مصداق نہ ہو جیئے (محبت زبانی پاک لینے دینے کے منہ میں خاک) گو بخیل کی (نسبت کے لہجہ میں ۱۲ جامع) دعا میں اس حیثیت سے

کی اُمید ہو کہ وہاں خلوص نہ یا دہ ہوتا ہو کیونکہ وہاں تو صرف دعا ہی دعا ہو اور کچھ ہے ہی نہیں مگر ایک دوسری حیثیت سے اور وہ حیثیت نحوست بخل ہو قبولیت دعا میں کمی ہوجاوے مگر خلوص تو بہت ہی ہوتا ہے اور عجب نہیں کہ خلوص برکت بخل کی نحوست پر غالب آجاوے اور ضرورت اس کام کی آپکو معلوم ہی ہوچکی جبتک حضرت قاری محمد علیخاں صاحب قدس سرہٗ یہاں تشریف فرما تھے تو اسقدر یہاں مدرسہ کی حاجت نہ تھی گو کسی درجہ میں جب بھی تھی ایک ان ہو جس سے ضرورت کے وقت مسئلہ دریافت کیا جاوے۔ صرف کتابوں سے کام نہیں چلسکتا کیونکہ کتابونکا پورے طور پر سمجھنا عالم کے سوا دوسرے کا کام نہیں ہو کبھی کسیکی ہمت پڑی ہے کہ کتابوں سے مسہل دیکھکر استعمال کیا ہو ہمیشہ طبیب ہی کی حاجت ہوتی ہو پھر جب طب جسمانی کیلئے صرف کتابیں کافی نہیں سمجھی جاتیں تو تعجب ہو کہ طب روحانی کیلئے کیونکر کتابونپر قناعت ہوجاتی ہے حالانکہ قلب کی اصلاح جسم کی اصلاح سے اہم اور اوس سے زیادہ نازک ہو لہذا یہاں مدرسہ میں ایک عالم کی حاجت ہو اور وہ عالم ایسے ہوں جنکی درسیات پوری ہوچکی ہوں اور اونکے متعلق تین کام ہونا چاہئے ایک تو بچونکا گھیرنا اور محبوس رکھنا تاکہ وہ آوارگی سے بچیں اور گو گھیر گھار سرکاری مدارس میں بھی ہوجاتی ہے لیکن وہاں صرف علم معاش کی تعلیم ہوتی ہو علم معاد سے کوئی تعلق نہیں اوس سے نفس کی اصلاح نہیں ہوتی اور میں علم معاش کا مخالف نہیں ہوں مگر مسلمان اسکو کیسے گوارا کرسکتا ہو کہ علم معاش کے اہتمام میں اپنی عمر تمام کردے اور معاد سے بے بہرہ رہے کم سے کم علم معاد میں قرآن مجید اور اُردو کے رسائل جنسے ضروری مسائل پر عبور ہوجاوے اتنا ہی پڑھوا دو اور دوسرا کام اون عالم کا یہ ہو کہ بوقت ضرورت مسائل بتلا دیں اور اوس عالم کا متدین ہونا بھی ضرور ہے تاکہ جن مسائل کو کتاب کی مدد سے بھی نہ بتلا سکے اونکے پوچھنے کے لئے اپنے سے بڑے عالم کا پتہ بتلادے اور یہ عالم اگر متدین ہوگا تب تو کام نکر سکیگا اور جو متدین نہوگا تو جو چاہیگا بتلائیگا صحیح او غلط کی پروا نکریگا تیسرا کام کا ہے کا ہے وعظ کہنا ہو کیونکہ تدریس سے تعلیم خاص حاصل ہوتی ہو اور وعظ تعلیم عام ہو اگر اسی طرح تھوڑے عرصہ تک کام چلتا رہا تو بہت سے فاسق متقی ہوجاوینگے۔ بہت سے جاہل عالم ہوجاوینگے۔ بہت سے ناواقف واقف ہوجاوینگے۔ بہت سے طلبہ بڑے مدارس عربیہ میں داخل ہونیکے لائق ہوجاوینگے اور تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جبتک مدرسہ کا مکان خاص نہو اوسوقت تک اطمینان سے تعلیم نہیں ہوسکتی مسجد میں اوّل تو تنخواہ دار کا پڑھانا فقہا نے مکروہ لکھا ہو دوسرے مسجد کا ادب ملحوظ رکھنا تدریس کی صورت میں دشوار ہے اور اگر مدرسہ کسی بیٹھک میں قائم کیا جاوے تو اوسکا استقرار دشوار ہے ممکن ہو کسی وقت میں

صاحب بیٹھک اہل مدرسہ کو وہاں سے اوٹھادے نیز مسجد کی آبادی نمازیوں سے کافی ہوجاتی ہے استمام طلبہ پر موقوف نہیں اسلئے مسجد میں مدرسہ ہونے سے لوگونکا خاص طور پر مدرسہ کی آبادی کا اہتمام نہیں ہوسکتا۔ اور جب مدرسہ مستقل ہوگا تو اوسوقت اسکی آبادی کا خیال ہوگا درجہ اس مدرسکا یہ ہوگا کہ عربی کی ابتدائی کتابوں تک تعلیم رہیگی جب طلبہ یہاں کی تعلیم سے فارغ ہوچکیں کسی بڑے مدرسہ میں داخل ہوجاویں یہاں تو مختصر ہی مدرسہ مناسب ہے خصوصًا ابتدائی حالت میں۔ ایک اللہ کے بندہ نے کچھہ چندہ بھی جمع کرلیا ہے اور ایک عالم بھی ذہن میں قرار دے لئے ہیں ایک عالم کا بستی میں رہنا ضرور ہے۔ اب وقت اسکا ہے کہ آپ لوگ عمارت کی بنیاد رکھیں اور یہ دعا کریں ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط یہ دعا ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو بوقت بناء کعبہ کے آپنے جناب باری میں عرض کی تھی اور واقع میں حقتعالے کی اعانت کی نہایت ضرورت ہی کیونکہ خلوص بھی جب ہی موثر ہے جبکہ حقتعالی قبول فرمالیں اسلئے کہ سوائے اللہ جل جلالہ کے تمام اشیاء حادث ہیں اور خلوص بھی ان ہی میں سے ہے اور کوئی حادث فاعل بالذات نہیں ہوتا پس خلوص بغیر اعانت خداوندی موثر نہیں ہوسکتا۔ جہانتک ہوسکے جلد سے جلد اس کام کو شروع کردیجئے اور چونکہ یہ افتتاح عمارت مدرسہ کا وقت ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کبھی یہاں مدرسہ اس سے پہلے ہوا ہو اس مناسبت سے بھی اور نیز اس مناسبت سے کہ افتتاحی کتابیں یہاں پڑہائی جاوینگی اور نیز اس مناسبت سے بھی کہ فتح باب خیر ہے اور اس مناسبت سے بھی کہ حدیث میں جو یہاں بیان کیگئی ہے لفظ مفتاح واقع ہوا ہے اس مدرسہ کا نام **مفتاح العلوم** رکھتا ہوں اور اس وعظ کا نام **مفتاح الخیر** چونکہ یہ اسماء مقتبس من الحدیث ہیں اس لئے مدرسہ میں نیز اس وعظ میں برکت کی زیادہ امید ہے اب دعا فرمائیے۔ (دعا پر جلسہ ختم ہوا اور سنگ بنیاد مدرسہ کا رکھا گیا)

(التماس از جامع) ناظرین وعظ ہذا احقر کے لئے حسبۃً للہ تعالے دعا فرماویں کہ بندہ کو اعلیٰ درجہ کی عبودیت عطا ہو اور تمام مقاصد بسہولت بے مرحمت فرمائے جاویں جزاکم اللہ تعالی خیرا

تمت

کتبہ کمترین شیخ رحیم الدین عفی عنہ میرٹھی تلمیذ حضرت محمد حسن دہلوی